

سورۃ مجادلہ مدنی ہے اور اس میں بائیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔



شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی؛ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا،^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ سننے دیکھنے والا ہے۔ (۱)

قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ عَمَّا تُرْمَىٰ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ۝۱

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یعنی انہیں ماں کہہ بیٹھتے ہیں) وہ دراصل ان کی مائیں نہیں بن جاتیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن کے بطن سے وہ پیدا ہوئے،^(۲) یقیناً یہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنكُم مِّن نِّسَائِهِمْ مَاتَمَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا آلِيٌّ وَوَلَدُهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ عَوَّزٌ ۝۲

(۱) یہ اشارہ ہے حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کی طرف، جن کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا، ظہار کا مطلب ہے، بیوی کو یہ کہہ دینا اَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ اُمِّي (تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں اس وقت تک اس کی بابت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ توقف فرمایا اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی رہیں۔ جس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں مسئلہ ظہار اور اس کا حکم و کفارہ بیان فرما دیا گیا۔ (ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی الظہار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کس طرح لوگوں کی باتیں سننے والا ہے کہ یہ عورت گھر کے ایک کونے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجادلہ کرتی اور اپنے خاوند کی شکایت کرتی رہی، مگر میں اس کی باتیں نہیں سنتی تھی۔ لیکن اللہ نے آسمانوں پر سے اس کی بات سن لی، (سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فیما اُنکرت الجہمیة - صحیح بخاری میں بھی تعلقاً اس کا مختصر ذکر ہے۔

کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ وكان اللہ سمیعاً بصیراً)

(۲) یہ ظہار کا حکم بیان فرمایا کہ تمہارے کہہ دینے سے تمہاری بیوی تمہاری ماں نہیں بن جائے گی۔ اگر ماں کے بجائے کوئی شخص اپنی بیٹی یا بن وغیرہ کی پیٹھ کی طرح اپنی بیوی کو کہہ دے تو یہ ظہار ہے یا نہیں؟ امام مالک اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ سے

ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔^(۱) (۲)
 جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی کسی ہوئی بات
 سے رجوع کر لیں^(۲) تو ان کے ذمہ آپس میں ایک
 دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے^(۳) ایک غلام آزاد کرنا
 ہے، اس کے ذریعہ تم نصیحت کیے جاتے ہو۔ اور اللہ
 تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ (۳)

ہاں جو شخص نہ پائے اس کے ذمہ دو مہینوں کے لگاتار
 روزے ہیں اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں
 اور جس شخص کو یہ طاقت بھی نہ ہو اس پر ساٹھ مسکینوں کا
 کھانا کھلانا ہے۔ یہ اس لیے کہ تم اللہ کی اور اس کے رسول
 کی حکم برداری کرو، یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور

وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا
 فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَآتُوا ذَلِكَ يُحَظُّونَ بِهَا وَاللَّهُ
 بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲﴾

فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا عَاهَدَ مِنْ مَّتَابَعَتِي مِنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَآتُوا
 فَمَنْ لَمْ يَنْطِقْ بِمَا طَعِمْتُ مِنْكُمْ لَكُمْ لِيَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ
 وَرَسُولِهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾

بھی ظہار قرار دیتے ہیں؛ جب کہ دوسرے علماء سے ظہار تسلیم نہیں کرتے۔ (پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے) اسی طرح اس
 میں بھی اختلاف ہے کہ پیٹھ کی جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ تو میری ماں کی طرح ہے، پیٹھ کا نام نہ لے۔ تو علمائے ہیں کہ اگر ظہار کی
 نیت سے وہ مذکورہ الفاظ کہے گا تو ظہار ہو گا، بصورت دیگر نہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ایسے عضو کے ساتھ
 تشبیہ دے گا جس کا دیکھنا جائز ہے تو یہ ظہار نہیں ہو گا، امام شافعی رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں کہ ظہار صرف پیٹھ کی طرح کہنے سے ہی
 ہو گا۔ (فتح القدیر)

(۱) اسی لیے اس نے کفارے کو اس قول منکر اور جھوٹ کی معافی کا ذریعہ بنا دیا۔

(۲) اب اس حکم کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ رجوع کا مطلب ہے، بیوی سے ہم بستری کرنا چاہیں۔

(۳) یعنی ہم بستری سے پہلے وہ کفارہ ادا کریں۔ ۱- ایک غلام آزاد کرنا۔ ۲- اس کی طاقت نہ ہو تو پے در پے بلاناغہ دو مہینے
 کے روزے۔ اگر درمیان میں بغیر عذر شرعی کے روزہ چھوڑ دیا تو نئے سرے سے پورے دو مہینے کے روزے رکھنے پڑیں
 گے۔ عذر شرعی سے مراد بیماری یا سفر ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی روزہ چھوڑے
 گا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ہوں گے۔ ۳- اگر پے در پے دو مہینے کے روزے رکھنے کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ
 مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہر مسکین کو دو مد (نصف صاع یعنی سوا کلو) اور بعض کہتے ہیں ایک مد کافی ہے۔
 لیکن قرآن کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانا اس طرح کھلایا جائے کہ وہ شکم سیر ہو جائیں یا اتنی ہی مقدار میں ان کو
 کھانا دیا جائے۔ ایک مرتبہ ہی سب کو کھلانا بھی ضروری نہیں بلکہ متعدد اقساط میں یہ تعداد پوری کی جا سکتی ہے۔ (فتح
 القدیر) تاہم یہ ضروری ہے جب تک یہ تعداد پوری نہ ہو جائے، اس وقت تک بیوی سے ہم بستری جائز نہیں۔

کفار ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۳)

بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل کیے جائیں گے جیسے ان سے پہلے کے لوگ ذلیل کیے گئے تھے، (۴) اور بیشک ہم واضح آیتیں اتار چکے ہیں اور کافروں کے لیے تو ذلت والاعذاب ہے۔ (۵)

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں ان کے کیے ہوئے عمل سے آگاہ کرے گا، جسے اللہ نے شمار رکھا ہے اور جسے یہ بھول گئے تھے، (۶) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ (۷)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں کی اور زمین کی ہر چیز سے واقف ہے۔ تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر اللہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ کی مگر ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کی اور نہ زیادہ کی مگر وہ ساتھ ہی ہوتا ہے (۸) جہاں بھی وہ ہوں، (۹) پھر قیامت کے دن

إِنَّ الَّذِينَ يُعَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَيُؤْتُوا مَأْزِمَاتٍ الَّذِينَ مِنَ قِبَلِهِمْ وَقَدْ آتَيْنَاهُمُ آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ وَلِيُذَكِّرَ الَّذِينَ هُمْ فِيهَا

يَوْمَ يَوْمِ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَمَا أُوتِيَ قَوْمٌ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلِلَّهِ عِلْمُ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَتْلُو مَآئِي السَّمَوَاتِ وَمَآئِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا عِنْدَهُ آيَاتُهُمْ وَلِأَعْلَمَ مَا كَانُوا عَمِلِينَ ۝

(۱) کُتِبُوا، ماضی مجہول کا صیغہ ہے، مستقبل میں ہونے والے واقعے کو ماضی سے تعبیر کر کے واضح کر دیا کہ اس کا وقوع اور تحقق اسی طرح یقینی ہے جیسے کہ وہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یہ مشرکین مکہ بدر والے دن ذلیل کیے گئے، کچھ مارے گئے، کچھ قیدی ہو گئے اور مسلمان ان پر غالب رہے۔ مسلمانوں کا غلبہ بھی ان کے حق میں نہایت ذلت تھا۔

(۲) اس سے مراد گزشتہ امتیں ہیں جو اسی مخالفت کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

(۳) یہ ذہنوں میں پیدا ہونے والے اشکال کا جواب ہے کہ گناہوں کی اتنی کثرت اور ان کا اتنا تنوع ہے کہ ان کا احصا بظاہر ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہارے لیے یقیناً ناممکن ہے بلکہ تمہیں تو خود اپنے کیے ہوئے سارے کام بھی یاد نہیں ہوں گے لیکن اللہ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، اس نے ایک ایک کا عمل محفوظ کیا ہوا ہے۔

(۴) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ آگے اس کی مزید تائید ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

(۵) یعنی مذکورہ تعداد کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے نہیں ہے کہ وہ اس سے کم یا اس سے زیادہ تعداد کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بے خبر رہتا ہے بلکہ یہ تعداد بطور مثال ہے، مقصد یہ بتلانا ہے کہ تعداد تھوڑی ہو یا زیادہ۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور ہر ظاہر اور پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔

(۶) خلوت میں ہوں یا جلوت میں، شہروں میں ہوں یا جنگل صحراؤں میں، آبادیوں میں ہوں یا بے آباد پہاڑوں بیابانوں

انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا^(۱) بیشک اللہ تعالیٰ

ہر چیز سے واقف ہے۔ (۷)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کانا چھوسی سے روک دیا گیا تھا وہ پھر بھی اس روکے ہوئے کام کو دوبارہ کرتے ہیں^(۲) اور آپس میں گناہ کی اور ظلم و زیادتی کی اور نافرمانی پیغمبر کی سرگوشیاں کرتے ہیں^(۳) اور جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ان لفظوں میں سلام کرتے ہیں جن لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے نہیں کہا^(۴) اور اپنے دل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر جو ہم کہتے ہیں سزا کیوں نہیں دیتا،^(۵) ان کے لیے جہنم کافی (سزا) ہے

الَّذِينَ لَا يَدْرُونَ لِمَا هُمْ مَعْبُودُونَ لِمَا هُمْ مَعْبُودُونَ
وَيَسْتَعْجِلُونَ بِالْآثَامِ وَالْعَذَابِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ وَإِذَا أُلْحِقُوا الْوَيْلَ
حَقُّوا بِمَا لَمْ يَحْسِبُوا بِهِ اللَّهُ وَيَعُولُونَ فِي الْأَنْفُسِ هُمْ كَأُولَىٰ الْأَعْيُنِ
اللَّهُ يَسْمَعُ قُلُوبَهُمْ حَسْبُ مَا هُمْ فِيهَا يَصِلُونَ أَيَسَ الْبَصِيرِ ۝

اور غاروں میں، جہاں بھی وہ ہوں، اس سے چھپے نہیں رہ سکتے۔

(۱) یعنی اس کے مطابق ہر ایک کو جزا دے گا۔ نیک کو اس کی نیکیوں کی جزا اور بد کو اس کی بدیوں کی سزا۔

(۲) اس سے مدینے کے یہودی اور منافقین مراد ہیں۔ جب مسلمان ان کے پاس سے گزرتے تو یہ باہم سر جوڑ کر اس طرح سرگوشیاں اور کانا چھوسی کرتے کہ مسلمان یہ سمجھتے کہ شاید ان کے خلاف یہ کوئی سازش کر رہے ہیں، یا مسلمانوں کے کسی لشکر پر دشمن نے حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا ہے، جس کی خبر ان کے پاس پہنچ گئی ہے۔ مسلمان ان چیزوں سے خوف زدہ ہو جاتے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سرگوشیاں کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد انہوں نے پھر یہ مذموم سلسلہ شروع کر دیا۔ آیت میں ان کے اسی کردار کو بیان کیا جا رہا ہے۔

(۳) یعنی ان کی سرگوشیاں نیکی اور تقویٰ کی باتوں میں نہیں ہوتیں، بلکہ گناہ، زیادتی اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی ہوتی ہیں مثلاً کسی کی غیبت، الزام تراشی، بے ہودہ گوئی، ایک دوسرے کو رسول ﷺ کی نافرمانی پر اکسانا وغیرہ۔

(۴) یعنی اللہ نے تو سلام کا طریقہ یہ بتلایا کہ تَمَّ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللَّهِ، کہو لیکن یہ یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس کے بجائے کہتے السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا عَلِيَّكَ (تم پر موت وارد ہو) اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں صرف یہ فرمایا کرتے تھے۔ وَعَلَيْكُمْ يَا وَعَلَيْكَ (اور تم پر ہی ہو) اور مسلمانوں کو بھی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ جب کوئی اہل کتاب تمہیں سلام کرے تو تم جواب میں «عَلَيْكَ» کہا کرو یعنی عَلَيْكَ مَا قُلْتُ (تو نے جو کہا ہے، وہ تجھ پر ہی وارد ہو) (صحیح بخاری و مسلم، کتاب الأدب، باب لم یکن النبوی صلی اللہ علیہ وسلم فاحشاً ولا متفحشاً)۔

(۵) یعنی وہ آپس میں یا اپنے دلوں میں کہتے کہ اگر یہ سچا نبی ہو تا تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری اس قبیح حرکت پر ہماری گرفت

جس میں یہ جائیں گے،^(۱) سو وہ برا ٹھکانا ہے۔ (۸)
 اے ایمان والو! تم جب سرگوشی کرو تو یہ سرگوشیاں گناہ اور
 ظلم (زیادتی) اور نافرمانی پیغمبر کی نہ ہوں،^(۲) بلکہ نیکی اور
 پرہیزگاری کی باتوں پر سرگوشی کرو^(۳) اور اس اللہ سے
 ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ (۹)
 (بری) سرگوشیاں، پس شیطانی کام ہے جس سے ایمان
 داروں کو رنج پہنچے۔^(۴) گو اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہ
 انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور ایمان والوں کو
 چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔^(۵) (۱۰)
 اے مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں ذرا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا إِلَّا لِلَّهِ
 وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالزُّبُرِ وَالْتَمَتُّوْا
 وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ①

إِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيْسَ
 بِضَرْبِهِمْ شَيْءٌ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ قَلْبُكَ
 الْمُؤْمِنُونَ ②

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَخَوَّفُوا فِي الْمَجْلِسِ

ضرور فرماتا۔

- (۱) اللہ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے اپنی مشیت اور حکمت بالغہ کے تحت دنیا میں ان کو فوری گرفت نہیں فرمائی تو کیا وہ آخرت میں
 جہنم کے عذاب سے بھی بچ جائیں گے؟ نہیں یقیناً نہیں۔ جہنم ان کی مختصر ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔
 (۲) جس طرح یہود اور منافقین کا شیوہ ہے۔ یہ گویا اہل ایمان کو تربیت اور کردار سازی کے لیے کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم
 اپنے دعوائے ایمان میں سچے ہو تو تمہاری سرگوشیاں یہود اور اہل نفاق کی طرح اٹم و عدوان پر نہیں ہونی چاہئیں۔
 (۳) یعنی جس میں خیر ہی خیر ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر مبنی ہو۔ کیونکہ یہی نیکی اور تقویٰ ہے۔
 (۴) یعنی اٹم و عدوان اور معصیت رسول ﷺ پر مبنی سرگوشیاں یہ شیطانی کام ہیں، کیونکہ شیطان ہی ان پر آمادہ کرتا
 ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعے سے مومنوں کو غم و حزن میں مبتلا کرے۔
 (۵) لیکن یہ سرگوشیاں اور شیطانی حرکتیں، مومنوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں، لہذا یہ کہ اللہ کی مشیت ہو اس لیے تم
 اپنے دشمنوں کی ان اوجھی حرکتوں سے پریشان نہ ہو کرو۔ بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھو، اس لیے کہ تمام معاملات کا اختیار اسی
 کے ہاتھ میں ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے، نہ کہ یہود اور منافقین، جو تمہیں تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ سرگوشی کے سلسلے
 میں ہی مسلمانوں کو ایک اخلاقی ہدایت یہ دی گئی ہے کہ جب تم تین آدمی اکٹھے ہو، تو اپنے میں سے ایک کو چھوڑ کر دو
 آدمی آپس میں سرگوشی نہ کریں، کیونکہ یہ طریقہ اس ایک آدمی کو غم میں ڈال دے گا۔ (صحیح بخاری، کتاب
 الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة فلا بأس بالمساراة والمناجاة - وصحيح مسلم كتاب السلام)
 باب تحريم مناجاة الاثنتين دون الثالث بغير رضاه، البته اس کی رضامندی اور اجازت سے ایسا کرنا جائز ہے۔
 کیونکہ اس صورت میں دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا، کسی کے لیے تشویش کا باعث نہیں ہو گا۔

قَاتَسَمُوا بِفَسْحِ اللَّهِ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ اسْتُرُوا فَأَلْتُمُوهُمُ وَيَرْفَعُ
اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ①

کشاہگی پیدا کرو تو تم جگہ کشاہہ کرو (۱) اللہ تمہیں کشاہگی
دے گا، (۲) اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو جاؤ تو تم
اٹھ کھڑے ہو جاؤ (۳) اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے
جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیئے گئے ہیں درجے
بلند کر دے گا، (۴) اور اللہ تعالیٰ (ہر اس کام سے) جو تم
کر رہے ہو (خوب) خبردار ہے۔ (۱۱)

اے مسلمانو! جب تم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے
سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ
دے دیا کرو (۵) یہ تمہارے حق میں بہتر اور پاکیزہ تر

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَادَيْتُمُ الرَّسُولَ فَاقْبَلُوا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
بِحَسَبِ صِدْقَتِهِ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ كُنْتُمْ فِي عَجْزٍ
عَنِ الْمَشْيِ وَالْحَرْبِ فَلْيَمْشُوا يَوْمَ الْمَجْمَعَةِ ②

(۱) اس میں مسلمانوں کو مجلس کے آداب بتلائے جا رہے ہیں۔ مجلس کا لفظ عام ہے، جو ہر اس مجلس کو شامل ہے، جس
میں مسلمان خیر اور اجر کے حصول کے لیے جمع ہوں، وعظ و نصیحت کی مجلس ہو یا جمعہ کی مجلس ہو۔ (تفسیر القرطبی) ”کھل
کر بیٹھو“ کا مطلب ہے کہ مجلس کا دائرہ وسیع رکھو تاکہ بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھے کی جگہ رہے۔ دائرہ تنگ مت
رکھو کہ بعد میں آنے والے کو کھڑا رہنا پڑے یا کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا کر اس کی جگہ وہ بیٹھے کہ یہ دونوں باتیں ناشائستہ
ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ”کوئی شخص، کسی دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود نہ بیٹھے،
اس لیے مجلس کے دائرے کو فراخ اور وسیع کر لو۔ (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب لا یقیم الرجل أحاه
یوم الجمعة ویقعد فی مکانہ۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم إقامة الإنسان من موضعه
المباح الذی سبق إلیه)

(۲) یعنی اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں وسعت و فراخی عطا فرمائے گا یا جہاں بھی تم وسعت و فراخی کے
طالب ہو گے، مثلاً مکان میں، رزق میں، قبر میں۔ ہر جگہ تمہیں فراخی عطا فرمائے گا۔

(۳) یعنی جماد کے لیے، نماز کے لیے یا کسی بھی عمل خیر کے لیے۔ یا مطلب ہے کہ جب مجلس سے اٹھ کر جانے کو کہا
جائے، تو فوراً چلے جاؤ۔ مسلمانوں کو یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ کر
جانا پسند نہیں کرتے تھے لیکن اس طرح بعض دفعہ ان لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں
کوئی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

(۴) یعنی اہل ایمان کے درجے، غیر اہل ایمان پر اور اہل علم کے درجے اہل ایمان پر بلند فرمائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہوا
کہ ایمان کے ساتھ علوم دین سے واقفیت مزید رفق درجات کا باعث ہے۔

(۵) ہر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات اور خلوت میں گفتگو کرنے کی خواہش رکھتا تھا، جس سے نبی صلی اللہ

ہے،^(۱) ہاں اگر نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشے والا مہربان ہے۔ (۱۲)
 کیا تم اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ نکالنے سے ڈر گئے؟
 پس جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی تمہیں
 معاف فرمادیا^(۲) تو اب (بخوبی) نمازوں کو قائم رکھو
 زکوٰۃ دیتے رہا کرو اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی
 تابعداری کرتے رہو۔^(۳) تم جو کچھ کرتے ہو اس (سب)
 سے اللہ (خوب) خبردار ہے۔ (۱۳)

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہوں نے اس قوم
 سے دوستی کی جن پر اللہ غضبناک ہو چکا ہے،^(۴) نہ یہ
 (منافق) تمہارے ہی ہیں نہ ان کے ہیں^(۵) باوجود علم کے
 پھر بھی جھوٹ پر قسمیں کھا رہے ہیں۔^(۶) (۱۴)

وَأَشْفَقْتُمْ أَنْ تُنَادِيُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ وَادَّكُرْتُمْ
 فَتَقَلُّوا وَرَئِبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مَاهُمْ بَيْنَكُمْ وَلَا
 مِنْكُمْ وَيَصِلُونَ عَلَى الْكُذِّبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾

علیہ وسلم کو خاصی تکلیف ہوتی۔ بعض کہتے ہیں کہ منافقین یوں ہی بلا وجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات میں
 مصروف رہتے تھے، جس سے مسلمان تکلیف محسوس کرتے تھے، اس لیے اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا، تاکہ آپ ﷺ
 سے گفتگو کرنے کے رجحان عام کی حوصلہ شکنی ہو۔

(۱) بہتر اس لیے کہ صدقے سے تمہارے ہی دوسرے غریب مسلمان بھائیوں کو فائدہ ہو گا اور پاکیزہ تر اس لیے کہ یہ
 ایک عمل صالح اور اطاعت الہی ہے جس سے نفوس انسانی کی تطہیر ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ امر بطور
 استحباب کے تھا، وجوب کے لیے نہیں۔

(۲) یہ امر گواہی دیتا تھا، پھر بھی مسلمانوں کے لیے شاق تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جلد ہی اسے منسوخ فرمادیا۔
 (۳) یعنی فرانس و احکام کی پابندی، اس صدقے کا بدل بن جائے گی، جسے اللہ نے تمہاری تکلیف کے لیے معاف فرمادیا ہے۔
 (۴) جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، وہ قرآن کریم کی صراحت کے مطابق یہود ہیں۔ اور ان سے دوستی کرنے والے
 منافقین ہیں۔ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب مدینے میں منافقین کا بھی زور تھا اور یہودیوں کی سازشیں بھی عروج
 پر تھیں۔ ابھی یہود کو جلاوطن نہیں کیا گیا تھا۔

(۵) یعنی یہ منافقین مسلمان ہیں اور نہ دین کے لحاظ سے یہودی ہی ہیں۔ پھر یہ کیوں یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں؟
 صرف اس لیے کہ ان کے اور یہود کے درمیان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی عداوت قدر مشترک ہے۔
 (۶) یعنی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو باور کراتے ہیں کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں یا یہودیوں سے انکے رابطے نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے،^(۱) تحقیق جو کچھ یہ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں۔ (۱۵)
ان لوگوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے^(۲) اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں^(۳) ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ (۱۶)

ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یہ تو جہنمی ہیں ہمیشہ ہی اس میں رہیں گے۔ (۱۷)
جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھا کھڑا کرے گا تو یہ جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اللہ تعالیٰ) کے سامنے بھی قسمیں کھانے لگیں گے^(۴) اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی (دلیل) پر ہیں،^(۵) یقین مانو کہ بیشک وہی جھوٹے ہیں۔ (۱۸)
ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے،^(۶) اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے^(۷) یہ شیطانی لشکر ہے۔ کوئی شک نہیں

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

إِنَّمَا وَآيَاتِهِمْ جَهَنَّمَ فَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَاهْوَاهُمْ عَذَابَ مُّهِينٍ ﴿۱۶﴾

لَنْ نُعْطِيَهُمْ أَجْرًا وَلَا أَزْوَاجَهُمْ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبِيحُوا أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾

يَوْمَ يَرَىٰ عَذَابُ اللَّهِ جَهَنَّمَ أَفَيْتَلَوْنَ لَهُ كَمَا يَتْلَوْنَ لَكَ وَنَسِيْبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ سَبِيلٍ ۗ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۸﴾

إِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۗ أُولَئِكَ حِزْبٌ

(۱) یعنی یہودیوں سے دوستانہ تعلق رکھنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

(۲) اَيْمَانٌ، يَمِينٌ کی جمع ہے۔ بمعنی قسم۔ یعنی جس طرح ڈھال سے دشمن کے وار کو روک کر اپنا بچاؤ کر لیا جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنی قسموں کو مسلمانوں کی تلواروں سے بچنے کے لیے ڈھال بنا رکھا ہے۔

(۳) یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر یہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو ان کے بارے میں حقیقت و واقعہ کا علم نہیں ہوتا اور وہ ان کے غرے میں آکر قبول اسلام سے محروم رہتے ہیں۔ اور یوں یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کا جرم بھی کرتے ہیں۔

(۴) یعنی ان کی بدبختی اور سنگ دلی کی انتہا ہے کہ قیامت والے دن، جہاں کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی، وہاں بھی اللہ کے سامنے جھوٹی قسمیں کھانے کی شونچ پشیمانہ جسارت کریں گے۔

(۵) یعنی جس طرح دنیا میں وہ وقتی طور پر جھوٹی قسمیں کھا کر کچھ فائدے اٹھالیتے تھے، وہاں بھی سمجھیں گے کہ یہ جھوٹی قسمیں ان کے لیے مفید رہیں گی۔

(۶) اسْتَحْوَذَ کے معنی ہیں گھیر لیا، احاطہ کر لیا، جمع کر لیا، اسی لیے اس کا ترجمہ غلبہ حاصل کر لیا، کیا جاتا ہے کہ غلبے میں یہ سارے مفہوم آجاتے ہیں۔

(۷) یعنی اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے شیطان نے ان کو غافل کر دیا ہے اور جن چیزوں سے اس

الْقَيْظِ وَالْآلَانَ حِزْبَ الْقَيْظِ هُمُ الْغُيُورُونَ ﴿۱۹﴾

إِنَّ الَّذِينَ يُعَادُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿۲۰﴾

كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَابِنَ آتَا وَرَسُولِي إِنَّ اللَّهَ لَمَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱﴾

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ
وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ
أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِنَّا وَجَمَعْنَا لَهُمْ

کہ شیطانی لشکر ہی خسارے والا ہے۔ (۱۹)

بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ
مخالفت کرتے ہیں (۲۰) وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں
میں ہیں۔ (۲۰)

اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے (۲۱) کہ بیشک میں اور میرے
پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زور آور اور
غالب ہے۔ (۲۱)

اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو
آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں
سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے (۲۱) گو وہ ان کے
باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبہ (قبیلے)

نے منع کیا ہے، ان کا وہ ان سے ارتکاب کرتا ہے، انہیں خوب صورت دکھلا کر، یا مغالطوں میں ڈال کر یا تمناؤں اور
آرزوؤں میں مبتلا کر کے۔

(۱) یعنی مکمل خسارہ انہی کے حصے میں آئے گا۔ گویا دوسرے ان کی بہ نسبت خسارے میں ہی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ
انہوں نے جنت کا سودا گراہی لے کر کر لیا، اللہ پر جھوٹ بولا اور دنیا و آخرت میں جھوٹی قسمیں کھاتے رہے۔

(۲) مُحَادَّةٌ ایسی شدید مخالفت، عناد اور جھگڑے کو کہتے ہیں کہ فریقین کا باہم ملنا نہایت مشکل ہو گیا وہ دونوں دو کناروں
(حد) پر ہیں جو ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اسی سے یہ ممانعت کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اسی لیے
دربان اور پسرے دار کو بھی حداد کہا جاتا ہے۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی جس طرح گزشتہ امتوں میں سے اللہ اور رسول ﷺ کے مخالفوں کو ذلیل اور تباہ کیا گیا، ان کا شمار بھی انہیں
اہل ذلت میں ہو گا اور ان کے حصے میں بھی دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

(۴) یعنی تقدیر اور لوح محفوظ میں، جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہ مضمون سورہ سہوٰ من، ۵۱، ۵۲ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔
(۵) جب یہ بات لکھنے والا سب پر غالب اور نہایت زور آور رہے، تو پھر اور کون ہے جو اس فیصلے میں تبدیلی کر سکے؟
مطلب یہ ہوا کہ یہ فیصلہ قدر محکم اور امر مبرم ہے۔

(۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ جو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت میں کامل ہوتے ہیں، وہ اللہ اور رسول
ﷺ کے دشمنوں سے محبت اور تعلق خاطر نہیں رکھتے۔ گویا ایمان اور اللہ رسول ﷺ کے دشمنوں کی محبت و نصرت ایک دل میں
جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اور بھی کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے، مثلاً آل عمران ۲۸، سورہ توبہ ۲۴ وغیرہ۔

کے (عزیز) ہی کیوں نہ ہوں۔^(۱) یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا^(۲) ہے اور جن کی تائید اپنی روح سے کی^(۳) ہے اور جنہیں ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے خوش ہیں^(۴) یہ خدائی لشکر ہے، آگاہ رہو بیشک اللہ کے

جَذِبْتُمْ مَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ الَّذِينَ فِيهَا أَلَمُوا لَمْ يَمُوتُوا وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۲۸﴾

(۱) اس لیے کہ ان کا ایمان ان کو ان کی محبت سے روکتا ہے اور ایمان کی رعایت، ابوت، نبوت، اخوت اور خاندان و برادری کی محبت و رعایت سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملاً ایسا کر کے دکھایا۔ ایک مسلمان صحابی نے اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی اور اپنے بچپا، ماموں اور دیگر رشتے داروں کو قتل کرنے سے گریز نہیں کیا، اگر وہ کفر کی حمایت میں کافروں کے ساتھ لڑنے والوں میں شامل ہوتے۔ سیر و تواریخ کی کتابوں میں یہ مثالیں درج ہیں۔ اسی ضمن میں جنگ بدر کا واقعہ بھی قابل ذکر ہے، جب اسیران بدر کے بارے میں مشورہ ہوا کہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا تھا کہ ان کافر قیدیوں میں سے ہر قیدی کو اس کے رشتے دار کے سپرد کر دیا جائے جسے وہ خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی مشورہ پسند آیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے سورہ انفال، ۶۷ کا حاشیہ)

(۲) یعنی راح اور مضبوط کر دیا ہے۔

(۳) روح سے مراد اپنی نصرت خاص، یا نور ایمان ہے جو انہیں ان کی مذکورہ خوبی کی وجہ سے حاصل ہوا۔

(۴) یعنی جب یہ اولین مسلمان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان کی بنیاد پر اپنے عزیز و اقارب سے ناراض ہو گئے، حتیٰ کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل تک کرنے میں تامل نہیں کیا تو اس کے بدلے میں اللہ نے ان کو اپنی رضامندی سے نواز دیا۔ اور ان پر اس طرح اپنے انعامات کی بارش فرمائی کہ وہ بھی اللہ سے راضی ہو گئے۔ اس لیے آیت میں بیان کردہ اعزاز۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ اگرچہ خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل نہیں ہوا ہے، تاہم وہ اس کا مصداق اولین اور مصداق اتم ہیں۔ اسی لیے اس کے لغوی مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے مذکورہ صفات سے متصف ہر مسلمان رضی اللہ عنہ کا مستحق بن سکتا ہے، جیسے لغوی معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان شخص پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا (دعا) جملے کے طور پر اطلاق کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اہل سنت نے ان کے مفہوم لغوی سے ہٹ کر ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کے لیے بولنا، لکھنا جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ گویا شعار ہیں۔ رضی اللہ عنہم، صحابہ کے لیے اور علیہم الصلوٰۃ والسلام انبیاء کرام کے لیے۔ یہ ایسے ہی ہے، جیسے رحمتہ اللہ علیہ (اللہ کی رحمت اس پر ہو، یا اللہ اس پر رحم فرمائے) کا اطلاق لغوی مفہوم کی رو سے زندہ اور مردہ دونوں پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دعائیہ کلمہ ہے جس کے

گروہ والے ہی کامیاب لوگ ہیں۔^(۱) (۲۲)

سورہ حشر مدنی ہے اور اس میں چوبیس آیتیں اور
تین رکوع ہیں۔

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان
نہایت رحم والا ہے۔

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی
ہے، اور وہ غالب بالکھمت ہے۔ (۱)

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافروں کو ان
کے گھروں سے پہلے حشر کے وقت نکالا،^(۲) تمہارا گمان



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُبْحَانَكَ يَا مَنْ أَمَّا السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ①

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ
لِأَدْلَى الْحَشْرِ مَا ظَنَنُوا أَن يُخْرِجُوا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ تَالْعَنَةُ لِمُؤْمِنِيكُمْ

ضرورت مند زندہ اور مردہ دونوں ہی ہیں۔ لیکن ان کا استعمال مردوں کے لیے خاص ہو چکا ہے۔ اس لیے اسے زندہ کے
لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔

(۱) یعنی یہی گروہ مومنین فلاح سے ہمکنار ہو گا، دوسرے ان کی بہ نسبت ایسے ہی ہوں گے، جیسے وہ فلاح سے بالکل
محروم ہیں، جیسا کہ واقعی وہ آخرت میں محروم ہوں گے۔

☆ یہ سورت یہود کے ایک قبیلے بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے اسے سورۃ النضیر بھی کہتے ہیں۔
(صحیح بخاری تفسیر سورۃ الحشر)

(۲) مدینے کے اطراف میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع۔ ہجرت مدینہ کے بعد نبی صلی
اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ بھی کیا لیکن یہ لوگ درپردہ سازشیں کرتے رہے اور کفار مکہ سے بھی مسلمانوں کے
خلاف رابطہ رکھا، حتیٰ کہ ایک موقع پر جب کہ آپ ﷺ ان کے پاس گئے ہوئے تھے، بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر اوپر سے ایک بھاری پتھر پھینک کر آپ ﷺ کو مار ڈالنے کی سازش تیار کی، جس سے وحی کے ذریعے سے
آپ ﷺ کو بروقت اطلاع کر دی گئی، اور آپ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ان کی اس عمد شکنی کی وجہ
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لشکر کشی کی، یہ چند دن اپنے قلعوں میں محصور رہے، بالآخر انہوں نے جان
بخشی کی صورت میں جلا وطنی پر آمادگی کا اظہار کیا، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ اسے اول حشر (پہلی
بار اجتماع) سے اس لیے تعبیر کیا کہ یہ ان کی پہلی جلا وطنی تھی، جو مدینے سے ہوئی، یہاں سے یہ خیبر میں جا کر مقیم ہو گئے،
وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں انہیں دوبارہ جلا وطن کیا اور شام کی طرف دھکیل دیا، جہاں کہتے ہیں کہ تمام
انسانوں کا آخری حشر ہو گا۔